

محمد رفیق چودھری

تحقیق و تنقید

جاوید احمد غامدی اور انکارِ حدیث

ہمارے زمانے میں فتنہ انکارِ حدیث کی آبیاری کرنے والوں میں ایک نام جاوید احمد غامدی صاحب کا بھی ہے۔ موصوف اپنی چرب زبانی، لفاظی اور منطقی مغالطوں کے ذریعے اس فتنے کو ہوا دے رہے ہیں۔ اُن کو الیکٹرانک میڈیا، چند سرمایہ داروں کی توجہ اور سرکارِ دربار کی نوکری و سرپرستی حاصل ہے۔

میرے نزدیک غامدی صاحب نہ صرف منکرِ حدیث ہیں بلکہ اسلام کے متوازی ایک الگ مذہب کے علمبردار ہیں۔ ان کے بارے میں، سال بھر سے مسلسل میں ماہنامہ 'محدث' میں لکھ رہا ہوں اور یہ تمام تحریریں ایک مستقل کتاب 'غامدی مذہب کیا ہے؟' کی صورت میں مطبوعہ شکل میں سامنے آچکی ہیں جس میں دلائل و براہین اور حوالہ جات کے ساتھ اس فتنہ تازہ کا علمی تعاقب کیا گیا ہے۔

غامدی صاحب کے منکرِ حدیث ہونے کے کئی وجوہ ہیں۔ وہ اپنے من گھڑت اصولِ حدیث رکھتے ہیں۔ حدیث و سنت کی اصطلاحات کی معنوی تحریف کرتے ہیں اور ہزاروں احادیث صحیحہ کی حجیت کا انکار کرتے ہیں۔

حدیث و سنت کے بارے میں ان کے انوکھے نظریات کی فہرست کافی طویل ہے لیکن ہماری موجودہ گفتگو 'سنت' کے اصطلاحی مفہوم تک محدود رہے گی۔ باقی مباحث ان شاء اللہ محدث کے آئندہ شماروں میں بیان کئے جاتے رہیں گے۔

﴿سنت﴾ کی اصطلاح کا مفہوم بدلتے ہوئے غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری

فرمایا ہے۔ قرآن میں اس کا حکم آپ کے لئے اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (الاحل ۱۲۳)

”پھر ہم نے تمہیں وحی کی کہ ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یکسو تھا اور مشرکوں میں سے

نہیں تھا۔“ (میزان: ص ۱۰، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور؛ اصول و مبادی: ص ۱۰، فروری ۲۰۰۵ء، لاہور)

اسلامی شریعت میں ’سنت‘ کی اصطلاح کا کیا مفہوم ہے؟ یہ اصطلاح چودہ صدیوں سے

امتِ مسلمہ کے ہاں کن معنوں میں مستعمل ہے؟ اور غامدی صاحب اس اصطلاح سے اپنا کیا

مفہوم نکال رہے ہیں اور اس بارے میں قرآن مجید کی جس آیت سے وہ دلیل پیش کر رہے

ہیں، وہ کہاں تک صحیح دلیل ہے؟ اس پر بعد میں گفتگو کی جائے گی۔ سردست ہمیں ان کے اس

اندازِ بیان اور طرزِ کلام کے حوالے سے کچھ عرض کرنا ہے جو انہوں نے سنت کا مطلب بیان

کرتے ہوئے اختیار فرمایا ہے: ”سنت سے ہماری مراد یہ ہے.....“

غامدی صاحب کو یاد رکھنا چاہئے کہ ’سنت‘ ایک اسلامی شرعی اصطلاح ہے جو اپنا ایک مسلمہ

اور متعین مفہوم رکھتی ہے۔ یہ مقدس اصطلاح کسی کی ذاتی جاگیر نہیں کہ کوئی شخص اُٹھ کر اپنے

جی سے، جو چاہے اس سے مراد لیتا پھرے۔ معاف کیجئے، یہ اندازِ کلام اس طرح کا ہے جیسے

کوئی سر پھرا شخص یوں دعویٰ کرے کہ

✴ ”نماز (اقامتِ صلوٰۃ) سے ہماری مراد دینِ موسوی کی وہ روایت ہے.....“

✴ ”روزے (صوم) سے ہماری مراد دینِ عیسوی کی وہ روایت ہے.....“

✴ ”حج سے ہماری مراد دینِ سلیمانی کی وہ روایت ہے.....“

✴ ”زکوٰۃ سے ہماری مراد دینِ داؤدی کی وہ روایت ہے.....“

✴ ”صحیح حدیث سے ہماری مراد وہ خبر یا اطلاع ہے جو کوثر یا ہڈ کے ذریعے موصول ہو۔“

✴ ”مجتہد سے ہماری مراد ایسا شخص ہے جو انتہائی کوشش اور جدوجہد کے بعد ماؤنٹ

ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھ جائے۔

✴ ”فقہ سے ہماری مراد وہ علم ہے جو کسی شخص کو بگلے کی طرح پانی میں ایک ٹانگ پر کھڑا

ہو کر غور و فکر کرنے کے بعد حاصل ہو۔“

”مفتی سے ہماری مراد وہ آدمی ہے جو سرکاری خرچ پر مفت حج کر کے آئے۔“ *

”خليفة سے ہماری مراد لکھنؤ کا حجام ہے۔“ *

کیا ایسے سرپھرے شخص کے ان دعاوی کو کوئی معقول آدمی تسلیم کر سکتا ہے؟ کیا ایک مسلمان معاشرے میں اس طرح کے تلعب بالدين اور اسلامی اصطلاحات سے کھیل مذاق کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ غامدی صاحب! ہوش کے ناخن لیں۔ آپ یہ لوگوں کو دین سمجھا رہے ہیں یا اپنی ہوائے نفس کا اظہار فرما رہے ہیں؟ ع

تمہی کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

دین کی اصطلاحات کے مسلمہ معانی و مفہیم بدلنا ہمارے ہاں کے منکرین حدیث کی پرانی عادت ہے۔ مشہور منکر حدیث پرویز صاحب نے بھی بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے اپنی تحریروں میں یہ حربہ اختیار کیا ہے۔ انہوں نے صلوٰۃ، زکوٰۃ، جنت، جہنم، جنات، آدم، ملائکہ، حتیٰ کہ اللہ و رسول کے مسلمہ اصطلاحی مطالب بدل ڈالے جس کے سبب پاکستان بھر کے ڈیڑھ ہزار علمائے کرام اپنے دستخطوں کے ساتھ ان پر کفر کا فتویٰ لگانے پر مجبور ہوئے۔

دینی اصطلاحات کے مسلمہ معنی و مفہوم کو بدل ڈالنا ایک عظیم گمراہی ہے، شرارت ہے، فتنہ ہے اور الحاد و زندقہ ہے۔ خود غامدی صاحب کے اُستاد اور اُستادِ جن کا شاگرد کہلانا وہ اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں اور جن کی فکر کے وہ علمبردار بنتے ہیں، ایسی شنیع حرکت کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر ’تدبر قرآن‘ کے ’مقدمہ‘ میں لکھتے ہیں:

”اُمت کے جس تواتر نے قرآن کریم کو ہم تک منتقل کیا ہے، اسی تواتر نے دین کی تمام اصطلاحات کا عملی مفہوم بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر فرق ہے تو یہ فرق ہے کہ ایک چیز قولی تواتر سے منتقل ہوئی ہے، دوسری چیز عملی تواتر سے۔ اس وجہ سے اگر قرآن مجید کو ماننا ہم پر واجب ہے تو ان ساری اصطلاحات کی اس عملی صورت کو ماننا بھی واجب ہے جو سلف سے

خلف تک بالتواتر منتقل ہوئی ہیں۔“ (مقدمہ تدبر قرآن: جلد اول ص ۲۹، مطبوعہ ۱۹۸۳ء)

پھر دینی اصطلاحات کے مطالب بدلنے کو مولانا اصلاحی ’منکرین حدیث کی جسارت‘ قرار

دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مکرمین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ اور عمرہ و قربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور اُمت کے تو اترنے ان کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے، اس میں ہوائے نفس کے مطابق ترمیم و تغیر کرنا چاہتے ہیں، صریحاً خود قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ جس تو اترنے ہم تک قرآن کو منتقل کیا ہے، اسی تو اترنے ان اصطلاحات کی عملی صورتوں کو بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر وہ اُن کو نہیں مانتے تو پھر خود قرآن کو ماننے کے لئے بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اصطلاحات کے معاملے میں تنہا لغت پر اعتماد بھی ایک بالکل غلط چیز ہے۔“ (مقدمہ تدبر قرآن: جلد اول، ص ۲۹، مطبوعہ ۱۹۸۳ء)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک کسی دینی اصطلاح کے معنی بدلنے کا مطلب اس کا انکار ہے۔ اس بنا پر غامدی صاحب کا ’سنت‘ کی اصطلاح کے معنی بدلنا ’سنت‘ کا انکار ہے۔ اس لئے وہ اپنے استاد کے اُصول کے مطابق مکرم حدیث و سنت قرار پاتے ہیں۔ آگے چل کر مولانا اصلاحی نے اس بارے میں اپنے اُستاد مولانا فراہیؒ کا یہ مسلک لکھا ہے کہ ”ان دینی اصطلاحات کے بارے میں مولانا فراہیؒ اپنے مقدمہ تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اسی طرح تمام اصطلاحات شرعیہ مثلاً نماز، زکوٰۃ، جہاد، روزہ، حج، مسجد حرام، صفا، مروہ اور مناسک حج وغیرہ اور اُن سے جو اعمال متعلق ہیں، تو اتر و توارث کے ساتھ سلف سے لے کر خلف تک سب محفوظ رہے۔ اس میں جو معمولی جزوی اختلافات ہیں، وہ بالکل ناقابل لحاظ ہیں..... پس جب ایسے اصطلاحی الفاظ کا معاملہ پیش آئے جن کی پوری حدود تصویر قرآن میں نہ بیان ہوئی ہو تو صحیح راہ یہ ہے کہ جتنے حصے پر تمام اُمت متفق ہے، اتنے پر قناعت کرو۔“ (مقدمہ تدبر قرآن: جلد اول، ص ۲۹، ۳۰، مطبوعہ ۱۹۸۳ء)

میں نے اس مقام پر دانستہ طور پر مولانا اصلاحی اور مولانا فراہیؒ کی تحریروں کے اقتباسات دیئے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ غامدی صاحب پوری اُمت مسلمہ میں سے صرف انہی دو حضرات کو علما سمجھتے ہیں اور ان کو ’آسمان‘ کا درجہ دیتے ہیں۔ باقی علمائے اُمت کو وہ ’خاک‘ کے برابر سمجھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ’مقامات‘ میں لکھا ہے:

”میں نے بھی بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنایا لیکن امین احسن اور اُن کے اُستاد حمید الدین فراہیؒ کا معاملہ وہی ہے کہ

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت خاک کو آسماں سے کیا نسبت

(مقامات: صفحہ ۵۷، ۵۸، طبع دسمبر ۲۰۰۱ء، لاہور)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غامدی صاحب ان دونوں حضرات کے مسلک کے خلاف بھی اپنے کچھ ذاتی نظریات رکھتے ہیں اور محض مفاد کے حصول کے لئے ان حضرات سے اپنی شاگردی کا دعویٰ کرتے، ان سے نسبت جوڑتے اور ان کا نام غلط طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ورنہ عورت کے پردہ، مجسمہ سازی، موسیقی، داڑھی، عورت کی امامت، جہاد، مسئلہ تکفیر، یا جوج ماجوج اور غیر مسلم سے عورت کا نکاح جیسے بیسیوں مسائل و امور ہیں جن میں شاگرد کا اپنے اُستادوں سے اختلاف ہے۔ پھر نہ صرف مسائل میں بلکہ اُصول دین میں بھی واضح اختلاف موجود ہے۔

اب اصل بحث کی طرف آئیے:

غامدی صاحب نے 'سنت' کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کی ہے جبکہ 'سنت' کی ابتدا تمام علمائے اُمت کے نزدیک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہوتی ہے، اسی لئے اسے 'سنت رسول' کہا جاتا ہے نہ کہ..... دین ابراہیمی کی روایت

سنت کا خود ساختہ مفہوم لینے کے لئے غامدی صاحب سورۃ النحل کی درج ذیل آیت پیش کرتے ہیں:

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (النحل: ۱۲۳)

”پھر ہم نے (اے نبی!) تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کریں جو یکسو تھے اور شرک کرنے والے نہ تھے۔“

مگر اس آیت سے غامدی صاحب نے جو استدلال کیا ہے، وہ قرآن کی معنوی تحریف کے زمرے میں آتا ہے، کیونکہ

① مذکورہ آیت میں بلاشبہ مِلَّةٌ اِبْرَاهِيمَ یعنی دین ابراہیمؑ کا ذکر آیا ہے کیونکہ مِلَّةٌ کے معنی دین کے ہیں۔ مگر اس آیت سے 'دین ابراہیم' کی روایت کیسے برآمد ہوگی؟ اور یہ کس چڑیا کا نام ہے.....؟ یہ روایت کا مفہوم آیت کے کس لفظ سے نکلتا ہے؟

② مذکورہ آیت میں بے شک نبی ﷺ کو 'ملتِ ابراہیم' یعنی 'دینِ ابراہیمی' کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے مگر اس آیت میں یہ بات کہاں ہے کہ اس کی پیروی کرتے ہوئے نبی ﷺ اس دینِ ابراہیم کی تجدید و اصلاح بھی فرمائیں، اس میں اپنی طرف سے اضافے بھی کر دیں، اور پھر جو کچھ تیار ہو جائے، اسے اپنے ماننے والوں میں 'دین' کی حیثیت سے جاری فرمادیں؟

یہ سارا مفہوم غامدی صاحب کے اپنے ذہن کی اُچھ ہے جسے انہوں نے آیت کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے ذاتی خیالات کو قرآن مجید کی عبارت میں پڑھنے کی عمدہ مثال قائم کر دی ہے جو ٹھیک ٹھیک مذموم تفسیر بالرائے اور قرآن کی معنوی تحریف ہے۔

قرآنی آیات کی معنوی تحریف کر کے ان سے اپنے من پسند نظریات برآمد کرنا دوسرے منکرینِ حدیث کی طرح غامدی صاحب کی بھی عادت ہے۔ اس حوالے سے ہم نے بہت سی مثالیں اپنی کتاب 'غامدی مذہب کیا ہے؟' میں پیش کر دی ہیں۔

آیت میں مِلَّة کا لفظ آیا ہے جس کے معنی دین اور مذہب کے ہیں۔ مشہور عربی لغت لسان العرب میں ہے: المِلَّة: 'الدین' کِمِلَّة الاسلام والنصرانية واليهودية

”ملت کے معنی دین کے ہیں جیسے دین اسلام، نصرانیت (عیسائیت) کا دین، یہودیت کا دین۔“ (لسان العرب از ابن منظور: زیر ماڈہ 'مل')

قرآن مجید میں بھی مِلَّة کا لفظ دین اور مذہب کے معنوں میں آیا ہے، مثال کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

① ﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (البقرة: ۱۲۰)

”اور یہودی اور عیسائی تجھ سے اُس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک تو اُن کا مذہب اختیار نہ کرے۔“

② قومِ شعیب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِيبُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَنَعُودَنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَرِهِيْنَ * قَدْ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا﴾ (الاعراف: ۸۸، ۸۹)

”اُس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیب! ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تمہیں ہمارے مذہب میں واپس آنا ہوگا۔“ شعیب نے کہا: ”اگر ہم تمہارے مذہب سے بیزار ہوں تو کیا پھر بھی تمہاری بات مان لیں۔ ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں۔ کیونکہ اللہ ہمیں اس سے بچا چکا ہے۔“

③ ایک مقام پر نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے بارے میں یہ کہیں:

﴿قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (الانعام: ۱۶۱)

”کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے سیدھا راستہ بتا دیا ہے۔ وہی صحیح دین جو ابراہیم کا دین تھا جو کہ موحد تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔“

واضح ہوا کہ اس جگہ صِرَاطِ مُسْتَقِيمِ کا بدل ہے: دِينًا قِيمًا اور اُس کا بدل ہے مِلَّةِ اِبْرَاهِيمَ اور تینوں کا مطلب ہے دین اسلام!

④ ﴿وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِيمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ﴾ (البقرة: ۱۳۰)

”اور ایسا کون ہے جو ابراہیم کے دین سے منہ موڑے؟ سوائے اس شخص کے جس نے اپنے آپ کو احمق بنا لیا ہو۔“

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مِلَّة کے معنی دین اور مذہب کے ہیں مگر غامدی صاحب نے مِلَّةِ اِبْرَاهِيمَ کے معنی ابراہیم کا دین، لینے کی بجائے اس کے معنی دین ابراہیم کی روایت کر کے دوسروں کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح وہ جس آیت سے اپنی سنت (دین ابراہیم کی روایت) کا مفہوم کشید کرتے ہیں، اس میں سرے سے یہ معنی موجود نہیں ہیں۔

❁ حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کا دین تو ایک ہی تھا مگر شریعتیں الگ الگ تھیں، اس کی دلیل خود قرآن مجید میں ہے:

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾

”ہم نے تم میں سے ہر اُمت کے لئے الگ شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تم سب کو ایک ہی اُمت بنادیتا۔“ (المائدہ: ۴۸)

غامدی صاحب کے اُستاد مولانا امین احسن اصلاحی بھی اس حقیقت کو مانتے ہیں کہ تمام نبیوں اور اُن کی اُمتوں کے لئے ایک ہی دین تھا لیکن سب کی شریعت الگ الگ تھی۔ چنانچہ وہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ”مختلف اُمتوں کی شریعت کے اختلاف کی حکمت“ کے عنوان کے ساتھ لکھتے ہیں کہ

”جہاں تک دین کے حقائق کا تعلق ہے، وہ ہمیشہ سے غیر متغیر ہیں اور غیر متغیر ہی رہیں گے لیکن شریعت کے ظواہر و رسوم ہر اُمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ مقرر فرمائے تاکہ یہ چیز اُمتوں کے امتحان کا ذریعہ بنے۔“ (تذکر قرآن: جلد دوم ص ۵۳۵، مطبوعہ ۱۹۸۳ء، لاہور)

قرآن نے یہ حقیقت کئی مقامات پر واضح کی ہے کہ تمام انبیاء کرام کا ایک ہی دین تھا۔ ایک مقام پر ارشاد ہوا کہ حضرت ﷺ اور آپؐ کی اُمت کے لئے وہی دین مقرر ہے جو حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا دین تھا اور اسی دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (الشوریٰ: ۱۳)

”اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور اے نبی! اسی دین کی وحی ہم نے آپؐ کی طرف کی ہے اور اسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔“

ایک اور مقام پر اٹھارہ انبیاء سابقین (نوح، ابراہیم، اسحق، اسمعیل، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، ایوب، زکریا، یحییٰ، الیاس، الیسع، یونس، لوط اور عیسیٰ علیہم السلام) کا ذکر کر کے ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپؐ ان کی ہدایت یعنی دین کی پیروی کریں:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ * أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبُهِدَهُمُ اقْتِدَا﴾ (الانعام: ۸۹، ۹۰)

”یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب دی، حکومت بخشی اور نبوت عطا کی۔ اب اگر یہ

لوگ (کے والے قریش) ہماری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں تو ہم نے ان کی بجائے ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں جو ان نعمتوں کی ناشکری کرنے والے نہیں۔ (اے نبی!) پہلے نبیوں کو بھی اللہ نے ہدایت بخشی، لہذا آپ بھی ان کی ہدایت (دین) کی پیروی کریں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صرف ابراہیم کے دین کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ تمام انبیاء کرام کی ہدایت اور دین کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ سب کا دین ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے جو سراپا ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح اور سچا دین بھی صرف اسلام ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹)

”بے شک اللہ کے نزدیک (سچا) دین صرف اسلام ہے۔“

بلکہ یہاں تک فرما دیا کہ آخرت میں صرف دین اسلام مقبول دین ہوگا اور اس کے ماسوا کوئی اور دین مقبول نہ ہوگا:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

”اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے دین کو ہرگز قبول نہ کرے گا اور وہ شخص آخرت میں گھائلے میں رہے گا۔“

تمام انبیاء کرام کا دین اسلام رہا اور سب کی تعلیمات میں درج ذیل امور مشترک تھے: وجود باری تعالیٰ، عقیدہ توحید، عقیدہ نبوت و رسالت، عقیدہ آخرت، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتب پر ایمان، ایک اللہ کی عبادت (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ)، حقوق العباد (جیسے والدین سے حسن سلوک) اور اچھے اخلاق (جیسے سچ بولنا، جھوٹ نہ بولنا وغیرہ)

گویا سب کے ہاں اسلام کے بنیادی عقائد و اعمال یکساں تھے، لیکن سب کی شریعتیں جدا جدا تھیں۔ حتیٰ کہ قبلہ تک مختلف تھا جس کی طرف نماز پڑھنے سے ان کی نماز درست ہو سکتی تھی:

﴿وَلِكُلٍّ وَّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیُّهَا فَاسْتَبَقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (البقرہ: ۱۴۸)

”اور ہر مذہبی گروہ کا اپنا ایک قبلہ ہے جس کی طرف منہ کر کے وہ عبادت کرتا ہے مگر تم لوگ نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔“

ان تمام تصریحات کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سورۃ النحل کی مذکورہ آیت میں حضرت محمد ﷺ کو جس دین ابراہیمی کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ وہی دین ہے جو تمام انبیاء کرام کا مشترک دین ہے۔ اس میں صرف دین ابراہیمی کی خصوصیت یا تخصیص نہیں ہے بلکہ قرآن میں دوسرے انبیاء کرام کا ذکر کر کے ان کی ہدایت اور دین کی اقتدا اور پیروی کرنے کا حکم بھی نبی ﷺ کو دیا گیا ہے۔ مگر غامدی صاحب دین ابراہیمی کو جو تمام انبیاء کرام کا دین ہے اس کو پہلے 'دین ابراہیمی' کی روایت کا نام دیتے ہیں اور پھر اسے 'سنت' کا نام دے ڈالتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے وقت مکے میں دین ابراہیمی کی کون سی روایت موجود تھی جس کی پیروی کا حکم آپ کو دیا گیا تھا؟ وہاں تو قریش کی وہ حالت تھی جسے دورِ جاہلیت کہا جاتا ہے اور وہ لوگ تو شرک، بت پرستی، گمراہی اور اوہام پرستی میں مبتلا تھے۔ جاہلیت کے جو معاشرے تو حید کا بنیادی عقیدہ چھوڑ چکے تھے، اس کے ہاتھ دین ابراہیمی کی کون سی روایت سے محفوظ تھی۔ اگر دین ابراہیمی کی روایت سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو دین چلا آ رہا تھا تو یہ بات حقیقت کے سراسر خلاف ہے کیونکہ ان کا دین اپنی اصلی صورت میں حضرت محمد ﷺ کے زمانے تک محفوظ نہیں رہا۔ کوئی معقول آدمی بقائمی ہوش و حواس اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نبی کا دین جب بگڑ جاتا ہے اور قوم اس کے دین کو فراموش کر بیٹھتی ہے تو اس دین کی یاد دہانی کے لیے نئے نبی کی بعثت ہوتی ہے، لیکن اگر پہلے نبی کے دین کی روایت اپنی اصلی حالت میں موجود اور محفوظ ہو تو پھر کسی نئے نبی کی بعثت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی! اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی بعثت کے وقت نہ صرف ابراہیم علیہ السلام کے دین میں بگاڑ آ چکا تھا بلکہ آپ کے بعد آنے والے انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو بھی لوگ بھلا بیٹھے تھے جبھی تو اس کی دعوت و تبلیغ کے لیے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔

پھر سورۃ النحل کی مذکورہ آیت میں حضرت محمد ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی

پیروی کا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ ایک تو ان دونوں انبیاء کی شریعتیں الگ الگ ہیں، دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا عرب میں کوئی وجود نہ تھا جس کی پیروی کا حکم محمد ﷺ کو دیا جاتا۔

اس لیے یہ بات قرآن مجید سے کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ محمد ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ دین ابراہیمی کی روایت میں پہلے وحی یا اجتہاد سے تجدید و اصلاح فرمائیں، پھر اس میں کچھ اضافے کر دیں اور آخر میں اسے اپنے ماننے والوں پر دین کی حیثیت سے جاری فرمادیں اور اس کا نام 'سنت' رکھ دیں۔

غامدی صاحب کو میرا یہ چیلنج ہے کہ وہ 'سنت' کی جو تعریف فرما رہے ہیں اور اس کا جو مفہوم مراد لے رہے ہیں، سنت کی یہی تعریف اور یہی مفہوم وہ پوری اُمت میں سے کسی ایک محدث، فقیہ یا مجتہد کے ہاں دکھا دیں اور اگر ان کی اس 'نادر فکر' اور 'نرالے اجتہاد' سے اُمت کا کوئی صاحبِ علم متفق نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو وہ اسلامی اصطلاحات کے مفاہیم بگاڑنے کا ٹھیکہ نہ لیں، خود گمراہ نہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ سبیل المؤمنین کو اختیار کریں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ چونکہ غامدی صاحب

- ① سنت کی ابتدا حضرت محمد ﷺ سے ماننے کی بجائے حضرت ابراہیم سے مانتے ہیں۔
- ② 'سنت' کو تنہا نبی ﷺ کی 'روایت' قرار دینے کی بجائے دو انبیاء کرام (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ) کی مشترکہ روایت قرار دیتے ہیں۔
- ③ 'سنت' کی اسلامی اصطلاح کی متفقہ اور مسلمہ اجماعی تعریف اور مفہوم یعنی شریعت کے وہ احکام جو رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل یا تقریر (خاموش تائید) کے ذریعے ثابت ہوں کو چھوڑ کر اس کی وہ من گھڑت اور خود ساختہ تعریف کرتے ہیں اور اس سے اپنا من پسند مفہوم نکالتے ہیں۔

لہذا ہمارے نزدیک وہ منکرین حدیث کی صف میں کھڑے ہیں اور ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ

[جاری ہے]

وہ بھی 'منکر حدیث' ہیں۔